سلسلہ مطبوعات دائرہ طلوع اسلام

خطبۂ صدارت ۱۹۳۰ء

حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ

مکتبہ سیاسیہ
اردو بازار۔ دہلی

(صرف ٹائٹل محبوب المطابع دہلی میں چھپا)

قیمت ۶ر

یہ پمفلٹ مطبوعہ رسالہ طلوع اسلام سے مرتب کیا گیا ہے

خطبۂ صدارت سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد سنہ ۱۹۳۰ء

(حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

(حضرت علامہ کا اصلی خطبہ انگریزی میں ہے۔ جن حضرات نے آپ کی انگریزی تحریر دیکھی ہے وہ ہم سے متفق ہونگے کہ اسکا اردو میں ترجمہ کس قدر مشکل ہوتا ہے، بالخصوص اُس وقت جبکہ لفظی التزام بھی پیش نظر ہو۔ اس ترجمہ میں الفاظ سے زیادہ مفہوم کی ادائیگی کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اور وہ بھی اپنی استعداد کے مطابق، اسلیئے ہوسکتا ہے کہ کہیں ہم مفہوم کے سمجھنے اور اسکے صحیح طور پر ادا کرنے میں غلطی کر گئے ہوں۔ جسکے لیئے ہم بدل معذرت خواہ ہیں۔ طلوع اسلام)

حضرات! میں آپکا بے انتہا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ایک ایسے وقت میں جو مسلمانان ہند کے سیاسی خیالات و اعمال کی تاریخ میں نہایت نازک ہے، مجھے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کا اعزاز بخشا ہے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اِس عظیم الشان اجتماع میں بعض ایسے حضرات موجود ہیں جنکا موجودہ سیاسی تجربہ میری نسبت بہت زیادہ وسیع ہے اور اُمور مہمہ کے متعلق جنکی معلومات کی میرے دل میں بے انتہا وقعت ہے اِسلیئے اگر میں اُن سیاسی اُمور میں جنکے تصفیہ کے لیئے یہ حضرات آج اس جگہ جمع ہوئے ہیں اُنکی رہنمائی کا دعویٰ کروں تو یہ دعویٰ بالکل بیجا ہوگا۔ میں کسی جماعت کا لیڈر نہیں۔ اور کسی لیڈر کا پیرو نہیں۔ میں نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ اسلام اور اُسکی شریعت اُس کی سیاست مدن۔ اُس کی ثقافت (کلچر) اسکی تاریخ اور اسکے ادبیات کے مطالعہ میں صرف کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اِس روح اسلامی کے ساتھ جو مرور زمانہ کے ساتھ بے نقاب ہوتی جاتی ہے۔ میری مستقل وابستگی نے مجھے ایک ایسی فراست عطا کر دی ہے جس کی روشنی میں میں اس عظیم الشان اہمیت کا اندازہ کر سکتا ہوں جو اسلام کو

ایک عالمگیر حقیقتِ ثابتہ کی حیثیت سے حاصل ہے چونکہ اس امر کے فرض کر لینے میں مجھے کوئی تامل نہیں کہ مسلمانانِ ہند اس رُوحِ اسلامی سے عہد وفا باندھ چکے ہیں اسلیئے میرا منشا یہ نہیں کہ میں آپ کے فیصلوں میں آپکی رہنمائی کی جراٗت کروں، بلکہ مقصد صرف اتنا ہے کہ اس فراست کی روشنی میں جو مجھے حاصل ہے آپ کو اس اصل اساسی کا صحیح اور واضح احساس کرادوں جو اِن فیصلوں کی عمومی تشکیل کر سکے۔

اسلام اور قومیت Nationalism

اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام جو ایک اخلاقی نصب العین اور ایک خاص قسم کی سیاست مدن کا مجموعہ ہے (اس سے میری مُراد ایک ایسے معاشرتی نظام سے ہے جو ایک خاص ضابطۂ قوانین کے ماتحت ہوا اور جس میں ایک مخصوص اخلاقی تخیل کی رُوح کارفرما ہو)۔ مسلمانانِ ہند کی تاریخ حیات میں سب سے بڑا جزوِ ترکیبی رہا ہے اسنے وہ اساسی جذبات اور باہمی کشش کے سامان مہیّا کئے ہیں جو منتشر افراد اور مختلف گروہوں کو بتدریج متحد کر کے بالآخر انہیں ایک مُتمیّز اور معیّن قوم کی صورت میں منظّم کر دیتے ہیں جو اپنا مخصوص اخلاقی شعور رکھتی ہے، درحقیقت یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان ہی وہ ملک ہے۔ جس میں اسلام کا وہ شعبہ جو قوموں کی تعمیر سے متعلق ہے اپنی پُوری آب و تاب سے کارفرما ہوا ہے، دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی اسلام کے نظام ترکیبی نے سوسائٹی کی جو صورت اختیار کی ہے وہ صرف اِس امر کی رہین منّت ہے کہ اسلام ایک ایسے کلچر کی حیثیت سے عمل پیرا ہوا ہے۔ جس کا مُحرک ایک مخصوص اخلاقی تخیل ہے۔ اِس سے میرا مطلب یہ ہے کہ مُسلم سوسائٹی نے اپنی نمایاں ہم آہنگی اور قلبی یک جہتی کے ساتھ جو موجودہ شکل اختیار کی ہے وہ اُن آئین و قوانین کے قالب میں ڈھل کر تیار ہوئی ہے۔ جنکا اسلامی کلچر کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ لیکن وہ خیالات جو مفکّرین یُورپ نے دُنیائے سیاست میں پھیلا دیئے ہیں وہ ہندی و غیر ہندی مسلمانوں کی موجودہ نسل کے مطمحِ نگاہ کو نہایت تیزی کے ساتھ بدلتے جا رہے ہیں، ہمارے نوجوان اِن خیالات سے متاثر ہو کر اس امر کے لیے مضطرب ہو رہے

ہیں کہ اپنے اپنے ملکوں میں ان خیالات کو عمل میں لے آئیں۔ وہ اِن حقائق پر کبھی تنقیدی نگاہ نہیں ڈالتے۔ جو یورپ میں اِن خیالات کے ارتقا کا باعث ہوئے ہیں۔ یورپ میں مسیحیت صرف تارک الدنیا اشخاص کا ایک نظام سمجھا جاتا تھا جسنے رفتہ رفتہ ایک وسیع نظام کلیسائی کی صورت اختیار کر لی۔ لوتھر نے جو صدائے احتجاج بلند کی تھی وہ اِس کلیسائی نظام کے خلاف تھی نہ کہ دُنیائے معاملات کے کسی نظام مدنیت کے خلاف۔ اسلیئے کہ عیسائیت کو تو کسی ایسے سیاسی نظام سے تعلق ہی نہیں، بلاشبہ لوتھر اِس نظام کے خلاف بغاوت کرنے میں بالکل حق بجانب تھا۔ مگر میرے نزدیک اُسنے اِس امر کا احساس نہ کیا تھا کہ یورپ کے مخصوص حالات میں اِس بغاوت کا نتیجہ بالآخر یہ ہوگا کہ حضرت مسیحؑ کا عالمگیر نظامِ اخلاق کا ملاً تہ و بالا ہو جائے گا۔ اور بے شمار قومی اور محدود نظام ہائے اخلاق اسکی جگہ لے لیں گے۔ رُوسو اور لوتھر جیسے آدمیوں کی اس قسم کی تحریکوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک وحدت ٹوٹ کر ایسی کثرت میں تبدیل ہو گئی، جسکے مختلف اجزاء میں کوئی باہمی ہم آہنگی نہ تھی اور انسانیت کا ایک ہمہ گیر تصور قومیت کے تنگ دائرہ میں گھر کے رہ گیا۔ قومیت کا یہ تصور کسی محسوس بُنیاد۔ مثلاً عقیدۂ وطنیت پر ہی قایم ہو سکتا تھا اور اِسکا اظہار ایسے مختلف نظام ہائے سیاست کے ذریعہ سے ہی ممکن تھا جو قومی خطوط پر نشو و ارتقاء حاصل کر سکتے ہوں وہ خطوط جو صرف اِس اُصول کو ہی تسلیم کریں کہ سیاسی اتحاد کی بُنیاد جغرافیائی حدود پر ہی قایم ہو سکتی ہے۔ اگر مذہب کے متعلق عقیدہ ہی یہ ٹھہرے کہ اِسکا تعلق کاملاً اگلے جہاں سے ہے تو مسیحیت کا جو حشر یورپ میں ہوا وہ بالکل لازمی تھا، حضرت مسیحؑ کے عالمگیر اُصول اخلاق کی جگہ قومیت کے نظریۂ اخلاق و سیاست نے لے لی۔ اِس تخریب و تعمیر اور ردّ و بدل کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ یہ سمجھ بیٹھا کہ مذہب ہر فرد کا نجی مُعاملہ ہے، اور انسان کی دُنیاوی زندگی سے اِسکا کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اسلام، وحدتِ انسانی کو رُوح اور مادہ کے دو الگ تھلگ شعبوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ اسلام میں خدا اور کائنات، روح اور مادہ مذہب اور سیاست میں ناخن اور گوشت کا سا باہمی تعلق ہے اسکے نزدیک انسان کسی ایسی ناپاک دُنیا کا باشندہ نہیں

جب کسی ایسی مقدس دُنیا کے حصول کی خاطر تیاگ دینا پڑے جو اِس دُنیا سے الگ کہیں اور واقع ہو
اسلام کے نزدیک مادہ رُوح کی اس صورت کا نام ہے جو زمان و مکان کے لباسِ مجاز میں جلوہ
فرما ہے[1]۔ یورپ نے غالبًا مانی کے عقیدے سے رُوح و مادہ کی ثنویت (Duality) کا خیال
اخذ کیا۔ اور بلا تنقید اُسے قبول کر لیا۔ آج یورپ کے بہترین مفکر تو اپنی اس ابتدائی غلطی کو محسوس کر رہے
ہیں لیکن اُسکے سیاسی مُدبر غیر محسوس طور پر دُنیا کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اندھا دُھند اِس غلطی کو ایک
ایسے عقیدہ کی حیثیت سے قبول کر لے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ روح اور مادہ کی یہی
وہ غلط تفریق ہے جو یورپ کے مذہبی اور سیاسی افکار پر اس نہج سے اثر انداز ہوئی ہے کہ اُسنے
یورپ کے نظامِ حکومت سے مسیحیت کو قریب قریب بالکل خارج کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے یورپ
ایسی بے جوڑ سلطنتوں کا مجموعہ بنکے رہ گیا ہے جنکے سر میں انسانیت کا سودا نہیں۔ بلکہ اُسپر قومیت کا بھوت
سوار ہے۔ یہ بے جوڑ اَنمل سلطنتیں عیسائیت کے اخلاقی اور مذہبی معتقدات کو پامال کرنے کے بعد
اب ایک متحدہ یورپ کی ضرورت کا احساس کر رہی ہیں۔ یعنی پھر اسی وحدت کا احساس جسے مسیحی کلیسا
کے نظام نے ابتدا میں اُن کو دیا تھا۔ لیکن اُنہوں نے بجائے اِسکے کہ حضرت مسیحؑ کے عالمگیر اخوتِ انسانی
کے تصور کی روشنی میں اسکی تشکیل کرتے لوتھر کی تعلیم سے متاثر ہو کر تباہ و برباد کر ڈالا۔ دُنیائے اسلام
میں کسی لوتھر کا تصور ہی ممکن نہیں۔ کیونکہ اسلام میں یورپ کے ازمنہ متوسط جیسا کوئی کلیسائی نظام
ہی موجود نہیں جو اپنے کسی تباہ کرنے والے کو بُلا رہا ہو۔ دُنیائے اسلام میں ہمارے پاس ایک عالمگیر نظام
سیاست موجود ہے۔ بنیادی اُصولوں کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ انکا سرچشمہ علمِ الٰہی ہے، ان بنیادوں
پر جو عمارت قایم ہے، وہ البتہ ضروریاتِ زمانہ کے اقتضا کے مطابق ایک نئی رُوح کی محتاج ہے اور اس
احتیاج کی وجہ یہ ہے کہ بدقسمتی سے ہمارے فقہا واضعین قوانین دُنیائے جدید کے داعیات سے متمسک
نہیں ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ دُنیائے اسلام میں قومیت کے اس تصور کا انجام کیا ہوگا۔ یہ پیشین گوئی
کرنا مشکل ہے کہ آیا اسلام اسکو اپنے اندر جذب کر کے اسکی ترکیب کو بدل دیگا، جیسا کہ یہ اس سے
قبل بہت سے مختلف النوع خیالات کو اپنے اندر جذب کر کے ان کی نوعیت کو بدل چکا ہے یا خود اسلام

To Islam matter is spirit realising itself in space and time.[1]

اِس نظریہ کی قوت سے مُتاثر ہو کر اپنے نظام کو یکسر تبدیل کرے گا۔ حال ہی میں مجھے لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے پروفیسر وین سِنک (Wen Sinck) نے لکھا تھا کہ:۔

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اسوقت اُسی نازک دَور میں داخل ہو رہا ہے جو مسیحیت پر ایک صدی سے بھی زیادہ مدت سے طاری ہے، سب سے مشکل مسئلہ یہ ہے کہ وہ کونسا طریق عمل اختیار کیا جائے جس سے قدیم دقیانوسی غلط تصورات کی عمارت تو منہدم ہو جائے لیکن مذہب کی بُنیادیں محفوظ رہیں۔ میرے لیئے تو یہ بھی ممکن نہیں کہ میں بتا سکوں کہ اس بحران میں مسیحیت کا انجام کیا ہوگا، چہ جائیکہ میں یہ کہہ سکوں کہ اسلام پر اسکا کیا اثر ہوگا"

اور موجودہ دَور میں تو ہو یہ رہا ہے کہ قومیت کا تصور مسلمانوں کے مطمح نگاہ میں نسل پرستی کا جذبہ ابھار رہا ہے۔ جو اُن مساعی حسنہ کو غارت کر رہا ہے جنہیں شرفِ انسانیت کی خاطر اسلام نے سر انجام دیا تھا۔ اور نسل پرستی کے اِس شعور کا مطلب یہ ہے کہ نظامِ حیات کے متعلق ایسے نظریے اور معیار قایم ہو جائیں جو نہ صرف اسلامی نظریاتِ زندگی سے مختلف ہوں بلکہ اُن سے متصادم ہو جائیں مجھے امید ہے کہ آپ حضرات مجھے اِس بظاہر علمی بحث Academic discussion سے معذور سمجھیں گے۔ آپ حضرات نے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے لیئے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے، اور اپنے اِس عقیدہ میں مایوسی کا کوئی شائبہ نہیں پاتا کہ اسلام ایک زندہ اور پائندہ قوت ہے جو نگاہ انسانی کو جغرافیائی حدود وقیود کے قفس سے آزاد کر کے اسکی فطری وسعتوں میں اذن بال کشائی دیگا۔ جسکا عقیدہ ہے کہ مذہب، انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک اہم ترین طاقت کا حامل ہے اور جسکا محکم یقین ہے کہ اسلام خود تقدیرِ الٰہی ہے۔ زمانہ کی تقدیریں اسکے ہاتھ میں رہیں گی اور اسکی تقدیر کسی کے ہاتھ میں نہ ہوگی۔ ایسا شخص مجبور ہے کہ تمام مسائل کو اپنے خاص زاویۂ نگاہ سے دیکھے۔ یہ ہرگز خیال نہ فرمایئے کہ جس مسئلہ کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں وہ خالص نظری مسئلہ ہے نہیں، یہ تو ایک زندہ اور عملی مسئلہ

ہے جو خود نفس اسلام پر بحیثیت ایک نظام حیات و عمل کے اثر انداز ہوگا۔ اس مسئلہ کے صحیح اور مناسب حل پر ہی اِس امر کا انحصار ہے کہ آپ حضرات ہندوستان میں ایک ممتاز تہذیب کے علمبرداروں کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں، ہماری تاریخ میں اسلام پر کبھی ابتلا و آزمائش کا ایسا زمانہ نہیں آیا جیسا آجکل اسے درپیش ہے۔ (اس میں شک نہیں کہ) ہر ایک قوم اِس بات میں مختار ہے کہ اپنے اپنے معاشرتی نظام کے اُصول اساسی میں ترمیم، تاویل یا تنسیخ کرلے لیکن ایک تازہ تجربہ کرنے سے پہلے اسکے لیے قطعاً ضروری ہے کہ اپنے اس تجربہ کے نتائج و عواقب پر واضح انداز سے غور و خوض کرلے۔ اس اہم مسئلہ کو جس پہلو سے میں دیکھ رہا ہوں۔ اس سے کسی شخص کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ میں اُن حضرات سے جو مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں، آمادۂ پیکار رہوں۔ یہ مسلمانوں کا اجتماع ہے اور مجھے یقین ہے کہ اسکے افراد اسلام کی رُوح اور اُسکے نصب العین سے قلبی تعلق کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ اِس لیے میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ موجودہ صورتِ حالات کے متعلق جس چیز کو میں نیک نیتی کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اُس کو کھُلے کھلے الفاظ میں بیان کردوں۔ صرف یہی وہ طریق عمل ہے جس کی رُو سے میرے لیے ممکن ہے کہ میں اپنی بصیرت کی روشنی میں آپ حضرات کے سیاسی مسلک کو واضح کرسکوں

قومیّت ہند کی وحدانیت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ کیا ہے اور اسکے مالۂ وماعلیہ کیا ہیں؟ کیا مذہب سچ مچ ایک نجی معاملہ ہے؟ کیا آپ اس امر کو پسند فرمائیں گے کہ بحیثیت ایک اخلاقی اور سیاسی نظریہ کے اسلام کا بھی دُنیائے اسلام میں وہی حشر ہو جو اس سے پہلے عیسائیت کا یُورپ میں ہوچکا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے، کہ ہم اسلام کو ایک اخلاقی نظریہ کی حیثیت سے تو باقی رکھیں۔ لیکن ایک نظامِ سیاست کی حیثیت سے اسکو رَد کرکے اسکی جگہ وہ قومی (National) نظام ہائے سیاست اختیار کرلیں جن میں مذہب کو کسی قسم کی دخل دہی کی اجازت نہ ہو؟ یہ سوال ہندوستان میں ایک خاص اہمیت اختیار کرلیتا ہے۔ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ یہ دعوی ایک یوروپین کی زبان سے

تعجب انگیز نہیں کہ مذہب ایک نجی اور انفرادی چیز ہے۔ یورپ میں عیسائیت کا تصور ایک کیش رہبانیت کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ مادی دُنیا کو ترک کر کے تمام توجہات صرف رُوحانی دنیا پر مرکوز کر دی جائیں اس کیش کا منطقی نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تھا۔ جو مذکورہ بالا دعوی میں بیان کیا گیا ہے (یعنی یہ کہ مذہب ایک نجی معاملہ ہے)۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واردات و کیفیات رُوحانی (Religioue experiences) کی جو نوعیت قرآن مجید سے ظاہر ہوتی ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ کیفیات و واردات اس نوعیت کے نہیں ہوتے کہ وہ محض شخصِ متعلقہ کے قلب میں پیدا ہو کر صرف اسی پر اثر انداز ہوں اور اس کا معاشرتی ماحول ان سے کچھ بھی متاثر نہ ہو۔ یہ ایسی کیفیات ہیں کہ ان کا مہبط تو قلب انسانی ہو۔ لیکن اُن سے ایک پورا معاشرتی نظام وجود میں آجائے۔ ان کیفیات کا فوری ماحصل یہ ہوتا ہے کہ اُن سے ایک خاص نظام تمدن کے اصول اساسی مرتب ہو جاتے ہیں جو آئینی تصورات (قوانین وضوابط) کا ایک جہان خاموش اپنے آغوش میں لئے ہوتے ہیں۔ اور جن کی تہذیبی اہمیت محض اس لئے کم نہیں ہو سکتی کہ ان کا ماخذ وحی الٰہی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اسلام میں مذہب اور اس کے پیدا کردہ معاشرتی نظام میں کچھ ایسا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ اگر ایک کو رد کر دیا جائے تو دوسرا خود بخود رد ہو جاتا ہے۔ بنابریں قومیت کے خطوط پر کسی ایسے نظام تمدن کی تعمیر جو وحدت اسلامی کے اصول سے متصادم ہوتا ہو۔ مسلمان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو اس وقت براہ راست مسلمانان ہند کے درپیش ہے۔ رینان لکھتا ہے کہ "انسان نہ تو اس کی نسل اور مذہب کا غلام بنایا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی دریاؤں پہاڑوں کی حدود بندیاں اسے مقید کر سکتی ہیں۔ بلکہ صحیح الدماغ اور گرم جوش دل رکھنے والے انسانوں کی عظیم الشان اجتماعیت ایک اخلاقی شعور پیدا کر دیتی ہے جسے "قوم" کہتے ہیں" اس قسم کی جماعتی ترکیب ناممکن نہیں۔ اگرچہ اس کے لئے ایک طول طویل اور زہرہ گداز مرحلہ طے کرنا پڑے گا۔ جس میں یوں کہیئے کہ انسانوں کو نئے قالب میں ڈھالنا اور انہیں تازہ جذبات سے مسلح کرنا ہوگا۔ اگر ہندوستان میں کبیر کی تعلیم اور شہنشاہ اکبر کا دین الٰہی عوام کی ذہنیت پر غالب آجاتا تو اس قسم کی قومیت اس ملک میں بھی قائم ہو جاتی۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ ہندوستان کی مختلف ذاتوں اور اس کے مختلف مذہبی گروہوں میں

یہ رجحان کبھی پیدا نہیں ہوا کہ اپنی اپنی انفرادی جزئیات کو ایک عظیم الشان "کل" میں فنا کر دیں۔ (اور یوں قطرات سمندر میں مل کر سمندر بن جائیں)۔ ہر گروہ اپنی جماعتی ہستی قایم رکھنے کے لیے بضد ہے۔ اس قسم کے اخلاقی شعور کا پیدا ہونا جو یونان کے نظریہ قومیت کا اصل اصول ہے اتنی بڑی قیمت کا مطالبہ کرتا ہے کہ اقوام ہند اسے ادا کرنے کے لئے بالکل آمادہ نہیں ہیں۔ لہذا ہندوستان میں اتحاد قومی یہاں کی مختلف اقوام کے جداگانہ وجود کے انکار میں نہیں بلکہ ان سب کے تعاون اور ہم آہنگی میں تلاش کرنا چاہیئے۔ صحیح تدبر کا تقاضا یہ ہے کہ حقایق خواہ کتنے ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہوں۔ ان سے چشم پوشی نہ کی جائے حصول مقصد کا عملی طریق یہ نہیں۔ کہ جس صورت حالات کا وجود ہی نہ ہو اسے خواہ مخواہ موجود فرض کر لیا جائے بلکہ یہ کہ حقایق جس انداز میں ہیں ان کو تسلیم کرتے ہوئے ان سے حتی الوسع بہترین استفادہ کیا جائے ہندوستان اور ایشیا کی تقدیر حقیقتاً اسی بات پر منحصر ہے کہ ہندوستان میں اتحاد قومی کو ان ہی راستوں سے تلاش کیا جائے۔ ہندوستان بجائے خویش ایک چھوٹا سا "ایشیا" ہے۔ اس کے باشندوں کے ایک حصہ کا کلچر اقوام مشرق کے کلچر سے ہم آہنگ ہے۔ اور دوسرے حصہ کا کلچر وسطی اور مغربی ایشیا کی اقوام کے کلچر کے ساتھ اگر ہندوستان میں باہمی اشتراک عمل کا کوئی مؤثر اصول دریافت کر لیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قدیم سرزمین میں جو اپنے باشندوں کی کسی فطری ناقابلیت کی وجہ سے نہیں بلکہ زیادہ تر کارگہ تاریخ میں اپنے محل وقوع کی وجہ سے مدت دراز تک مصیبت و ابتلاء کی آماجگاہ رہی ہے۔ امن و امان اور مصالحت باہمی کی خوشگوار ہوائیں چلنے لگیں گی اور اس کے ساتھ ہی ایشیا بھر کی تمام سیاسی گتھیاں بھی سلجھ جائیں گی۔

لیکن اس تلخ حقیقت کے بیان کرنے سے صدمہ ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے ملک کی اندرونی یکجہتی کے لئے اس قسم کے اصول دریافت کرنے میں جتنی کوششیں کیں وہ اب تک بالکل ناکام رہی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ کوششیں کیوں ناکام رہی ہیں؟ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک دوسرے کی نیتوں کو شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور دل میں یہ آرزوئیں چھپی ہوئی ہیں کہ کسی نہ کسی طرح فریق مقابل پر تغلب و تسلط حاصل کر لیا جائے۔ یا اس کی یہ وجہ ہے کہ باہمی

اشتراکِ عمل کے بلند مقاصد تباہ ہوتے ہوں تو ہوں لیکن وہ اجارہ داری ہاتھ سے نہ جانے پائے جو اتفاقات زمانہ سے ایک فریق کے قبضہ میں آچکی ہے۔ حالت یہ ہے کہ دماغ میں انا الموجود لا غیری کا سودا سما رہا ہے۔ لیکن ان جذبات کو قومیت پرستی کے مقدس چولے میں چھپایا جاتا ہے۔ بلند آہنگ دعاوی کو دیکھو تو حب الوطنی کی وسعت قلبی کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ لیکن دل کی گہرائیوں میں اتر کر جائزہ لو تو وہاں "ذات" اور "قبیلہ" کی وہی پرانی تنگ نظری جلوہ فرما ہے۔ ہاں! اور اس کا یہ بھی باعث ہو سکتا ہے کہ اس حقیقت کے تسلیم کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ اس ملک میں ہر ایک جماعت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تمدنی روایات کے مطابق آزادانہ طور پر اپنی اجتماعی نشوونما کر سکے۔ بہرحال ہماری ناکامی کے وجوہ کچھ بھی ہوں میں اب تک مایوس نہیں ہوں۔ واقعات کی رفتار ایک اندرونی یکجہتی کے میلان کا پتہ دیتی ہے اگر اس اصول کو ایک مستقل فرقہ دارانہ تصفیہ کا سنگ بنیاد تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمانوں کو اپنے اس وطن عزیز میں اس امر کی مکمل آزادی حاصل ہو گی۔ کہ وہ اپنے کلچر اور روایات کی بنا پر اپنی نشوونما کر سکتے ہیں تو جہاں تک میں نے مسلم ذہنیت کا مطالعہ کیا ہے میں بلا تامل اعلان کرتا ہوں کہ اس اصول کے تسلیم کر لینے کے بعد مسلمان ہندوستان کی آزادی کے حصول کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر بالکل آمادہ ہو گا۔ واضح رہے کہ یہ اصول کہ ہر جماعت کو اپنی اپنی مخصوص بنیادوں پر آزادانہ نشوونما کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔ کسی تنگ نظرانہ فرقہ پرستی کے جذبہ پر مبنی نہیں ہے۔ فرقہ پرستی بھی کئی قسم کی ہے اور اس کے اقسام میں بین فرق پایا جاتا ہے۔ جو قوم دوسری قوموں کے متعلق اپنے دل میں بدخواہی کے جذبات کی پرورش کرتی ہے۔ وہ نہایت پست فطرت اور رذیل قوم ہے۔ میرے دل میں دوسری قوموں کے رسوم و شعائر۔ قوانین و ضوابط مذہبی و معاشرتی ادارات کا بے حد احترام ہے۔ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھئے۔ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق تو مجھ پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو میں دوسری قوموں کے معابد کی حفاظت بھی کروں۔ بایں ہمہ مجھے اس ملت سے عشق ہے جو میری زندگی کی طبعی اقتدار کا سرچشمہ ہے اور جس نے اپنے مذہب

اپنے لٹریچر۔ اپنی حکمت اور اپنے کلچر کی تجلیات سے اقبال کو اقبال بنا دیا ہے۔ اور یوں اپنے درخشندہ ماضی کو ایک جیتے جاگتے زندگی بخش عنصر کی صورت میں میرے حال میں سمو دیا ہے۔ ملت پرستی کے اس بلند ترین پہلو کی قدر و قیمت کو تو نہرو رپورٹ کے واضعین تک نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ علیحدگی سندھ کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

"یہ کہنا کہ فرقہ وار صوبوں کا وجود میں لانا قومیت پرستی کے وسیع نظریہ کے منافی ہوگا۔ ایسا ہی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ دنیا میں الگ الگ فرقوں کی ہستی بین الاقوامیت کے وسیع ترین تصور کے منافی ہے۔ ان دونوں بیانات میں ایک حد تک صداقت موجود ہے۔ لیکن بین الاقوامی نصب العین کا سرگرم سے سرگرم حامی بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ بین الاقوامی نظام حکومت اس وقت تک ناممکن بلکہ محال ہے جب تک ہر قوم مکمل طور پر خود مختار نہ ہو۔ اسیطرح جب تک مختلف فرقے اس باب میں بالکل آزاد نہ ہوں کہ وہ اپنی تہذیب و تمدن (کلچر) کی بنیادوں پر اپنے نظام زندگی کی تشکیل کر سکیں۔ ایک ہم آہنگ قوم کا وجود عمل میں نہیں آسکتا اور یہ کسے یاد نہیں کہ جب فرقہ پرستی کسی بہتر جذبہ پر مبنی ہو تو وہی کلچر بن جاتی ہے"۔

ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہندوستان

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہندوستان جیسے ملک میں ایک ہم آہنگ "کل" کی تشکیل کیلئے بلند سطح کی فرقہ پرستی بالکل ضروری اور ناگزیر ہے۔ برعکس یورپین ممالک کے۔ ہندوستان میں جماعتی تشکیل کی بنا جغرافیائی حدود نہیں ہندوستان ایک ایسا براعظم ہے جس میں مختلف النسل، مختلف اللسان اور مختلف المذاہب انسانوں کی جماعتیں آباد ہیں ان کے نظریۂ زندگی کی بنا کسی مشترک نسلی شعور پر نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ہندو بھی کوئی ایسی جماعت نہیں ہے جس کے مختلف افراد میں فکر و نظر کی یکسانیت ہو۔ ہندوستان میں یورپین اصولوں کے مطابق جمہوریت کی تشکیل نہیں ہو سکتی جب تک یہاں مختلف فرقوں کی جداگانہ ہستی کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کا یہ مطالبہ بالکل حق بجانب ہے کہ ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہند (Muslim India) کو معرض وجود میں لایا جائے

دہلی میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس نے جو ریزولیوشن پاس کیا ہے میرے نزدیک تو اسکا محرک یہی مقدس جذبہ تھا کہ بجائے اسکے کہ ہندوستان میں مختلف جماعتوں کے جذبۂ آزادی کا گلا گھونٹ دیا جائے انہیں اس امر میں خود مختار چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں اپنے مخصوص نظریاتِ زندگی کے ماتحت اپنے جوہرِ مضمر کی نشو ونما کر سکیں۔ اور پھر ان صحیح عناصر کے مجموعہ سے ایک ہم آہنگ "کُل" تخلیق ہو۔ اور مجھے یقین واثق ہے کہ لیگ کا یہ اجلاس مسلمانوں کے اُن مطالبات کی پُرزور تائید کریگا، جو مذکورہ قرارداد میں بیان کئے گئے ہیں، جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں تو اِن مطالبات سے بھی ایک قدم آگے بڑھنا چاہتا ہوں میری آرزو یہ ہے کہ پنجاب، صوبۂ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملاکر ایک واحد ریاست قائم کیجائے (ہندوستان کو) حکومتِ خود اختیاری زیر سایہ برطانیہ ملے۔ یا اِس سے باہر کچھ بھی ہو، مجھے تو یہی نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام کم از کم اس علاقہ کے مسلمانوں کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔ یہ تجویز نہرو کمیٹی کے سامنے پیش کی گئی تھی، لیکن اس نے اسکو اِس بنا پر رَد کر دیا کہ اگر اس تجویز کو عملی جامہ پہنا دیا گیا تو اس سے ایک ایسی ریاست معرضِ وجود میں آجائے گی جسکا سنبھالنا مشکل ہو جائیگا۔ جہاں تک رقبہ کا تعلق ہے کمیٹی کی یہ رائے صحیح ہے۔ لیکن بلحاظ آبادی مجوزہ ریاست ہندوستان کے بعض موجودہ صوبوں میں سے بھی چھوٹی ہوگی اگر قسمتِ انبالہ اور چند ایسے اضلاع کو جن میں غیر مسلم آبادی کی اکثریت ہے اِس ریاست سے خارج کر دیا جائے تو یہ رقبہ میں کم ہو جائیگی۔ اور اس میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب بڑھ جائیگا۔ جب اس طرح غیر مسلم آبادی کا تناسب بہت کم رہ جائیگا تو یہ متحدہ اسلامی ریاست اِس قابل ہو جائیگی کہ وہ اپنے علاقہ کے اندر رہنے والی اقلیتوں کو مؤثر تحفظات دے سکے۔ اِس تجویز سے نہ تو ہندوؤں کو بدکنا چاہیئے اور نہ ہی انگریز کو پریشان ہونے کی ضرورت ہے۔

ہندوستان دُنیا بھر میں سب سے بڑا اسلامی مُلک ہے۔ اِس مُلک میں اسلام بہ حیثیت ایک تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک مخصوص علاقہ میں مرکوز کر دیا

جائے مسلمانانِ ہند کے اِس زندہ اور جاندار طبقہ میں کہ جسکے بَل بوتے پر یہاں برطانوی راج قائم ہے (باوجودیکہ برطانیہ نے ان سے کبھی منصفانہ برتاؤ نہیں کیا) اگر یوں ایک مرکزیت قائم کردی جائے تو یہ آخرالذکر نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ایشیا کی گتھیاں سلجھادیگا اس سے مسلمانوں میں ذمہ داری کا احساس اور انکا جذبہ حب وطن اور بھی زیادہ ہوجائیگا جب اس طرح شمال مغرب کے مُسلمانوں کو ہندوستان کے سیاسی نظام میں رہتے ہوئے بڑھنے اور پھلنے پھُولنے کے مواقع حاصل ہونگے تو وہ ہر بیرونی حملے کے مقابلہ میں خواہ وہ خیالات کا سیلاب ہو یا شمشیر و سنان کا ہجوم ہندوستان کی بہترین مدافعت کرسکیں گے۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی چھپن فیصدی ہے لیکن ہندوستانی فوج کا چوّن فیصدی حصّہ انہیں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور اگر وہ انیس ہزار گورکھے علیحدہ کردیئے جائیں جو نیپال کی آزاد ریاست سے بھرتی کیئے جاتے ہیں تو پنجاب کے فوجی سپاہیوں کی تعداد ساری ہندوستانی فوج میں باسٹھ فیصدی ہوجاتی ہے۔ اس میں ابھی وہ چند ہزار سپاہی شامل نہیں ہیں جو صوبہ سرحد اور بلوچستان سے ہندوستانی فوج میں بھرتی ہوتے ہیں۔ اس سے آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستان کو غیر مُلکی چیرہ دستی سے محفوظ رکھنے کے لیئے شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں میں کس قدر صلاحیت موجود ہے۔ رائٹ آنریبل مسٹر سری نواس شاستری کا خیال ہے کہ مسلمان شمال مغربی سرحد کے قریب آزاد اسلامی ریاستوں کا مطالبہ اس غرض سے کر رہے ہیں کہ بوقت ضرورت حکومت ہند پر دباؤ ڈالنے کا ایک ذریعہ اُنکے ہاتھ آجائے۔ میں مسٹر شاستری کو کھُلے کھلے الفاظ میں بتادینا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے مطالبہ کا محرک وہ جذبہ نہیں ہے جس کا الزام وہ مسلمانوں پر عائد کر رہے ہیں۔ یہ مطالبہ مسلمانوں کی اِس دِلی خواہش پر مبنی ہے کہ انہیں بھی کہیں اپنی نشوو ارتقا کا موقعہ ملے۔ اس لیئے کہ اس قسم کے مواقع کا حاصل ہونا اُس وحدتِ قومی کے نظامِ حکومت میں قریب قریب ناممکن ہے جسکا نقشہ ہندو اربابِ سیاست اپنے ذہن میں لیئے بیٹھے ہیں اور جس سے مقصد وحید یہ ہے کہ تمام ملک میں مستقل طور پر انہیں کا غلبہ اور تسلّط ہو۔ ہندوؤں کو یہ خطرہ بھی لاحق نہ ہونا چاہیئے

کہ آزاد مسلمان ریاستوں کے قیام سے مقصد یہ ہوگا کہ ان میں ایک قسم کے مذہبی نظام حکومت کی ترویج ہوگی۔ میں آپ کی خدمت میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام کے متعلق جب "مذہب" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مفہوم کیا ہوتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلام "خدا اور بندے کے درمیان ایک روحانی واسطہ" کا ہی نام نہیں ہے۔ یہ ایک نظام حکومت ہے جسکی ہیئت ترکیبی میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ ہر عمل خیر کو اپنے اندر جذب کر لے اس نظام کا تعین اُسوقت ہو چکا تھا۔ جبکہ دُنیا میں کسی رُوسو کے دماغ میں ایسے نظام کا خیال تک بھی نہ آیا تھا۔ اس نظام کی بُنیاد ایک ایسے اخلاقی نصب العین پر رکھی گئی ہے۔ جسکی رُو سے انسان جمادات اور نباتات کیطرح بالکل مخلوق نہیں سمجھا جاتا کہ اسکو کبھی اس خطۂ زمین سے منسوب کر دیا۔ اور کبھی اُس سے، بلکہ وہ ایک ایسی روحانی ہستی سمجھا جاتا ہے۔ جس کی صحیح قدر و قیمت اُسوقت معلوم ہوتی ہے جب وہ ایک خاص معاشرتی نظام کی مشینری میں اپنی جگہ پر فٹ ہو، وہ اُس مشینری کا ایک فعال پُرزہ ہوتا ہے اور اُسے ٹھیک انداز میں چلانے کے لیئے اُسپر حقوق و فرائض کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اسلامی نظام حکومت کی ماہیئت کو سمجھنے کے لیئے "ٹائمز آف انڈیا" کا وہ مقالۂ افتتاحیہ پڑھنا چاہیئے جو جریدۂ مذکور نے آج سے کچھ عرصہ پیشتر انڈین بینکنگ انکوائری کمیٹی کے متعلق لکھا تھا۔ "ٹائمز" لکھتا ہے۔

> "قدیم ہندوستان میں حکومت کیطرف سے شرح سُود متعین کرنے کے لیئے قوانین وضع ہوا کرتے تھے۔ لیکن جب اس مُلک میں اسلامی حکومت قایم ہوئی تو اس شرح سود پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی گئی، باوجودیکہ اسلام میں رقوم قرضہ پر سود لینا صاف طور پر ممنوع[1] قرار دیا گیا ہے۔"

---

[1] یعنی جو غیر مسلم سود کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کی شرح سود پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ حالانکہ حکومت کے مذہب میں سود حرام تھا۔ (طلوع اسلام)

لہٰذا ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کے متعلق میرا یہ مطالبہ ہندوستان اور مسلمانان ہند دونوں کے بہترین مفاد پر مبنی ہے اس سے چونکہ اندرونی طاقتوں میں توازن پیدا ہو جائے گا۔ اسلیے ملک میں امن وامان قایم ہو جائیگا۔ یہ تو ہندوستان کا فائدہ ہوگا۔ اور اسلام کو موقع ملیگا کہ اسپر عربی ملوکیت سے جو غیر اسلامی اثرات غالب آچکے ہیں۔ اُن سے مخلصی حاصل کرے۔ اور اپنے شرعی قوانین اپنی تعلیم اور اپنے کلچر کی تنظیم کر کے انہیں اپنی اصلی روح اور عصر حاضر کی ضروریات سے قریب تر لا سکے۔

فیڈرل ریاستیں

اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہوگی۔ کہ چونکہ ہندوستان میں آب وہوا نسل۔ زبان معتقدات اور معاشرتی نظام میں گوناگوں اختلافات ہیں۔ اسلیے یہاں کسی محکم دستوری نظام کے لیے صرف ایک ہی صورت ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ یہاں زبان نسل۔ تاریخ مذہب کی وحدت اور اقتصادی مفاد کی یکسانیت کی بنیادوں پر خود مختار ریاستیں قایم کیجائیں۔ سائمن رپورٹ نے فیڈریشن کا جو تصور قایم کیا ہے وہ یہ ہے کہ مرکزی مجلس وضع قوانین انتخاب عام سے مرتب نہ کیجائے بلکہ وہ فیڈرل ریاستوں کے مختلف نمائیندوں کی مجلس ہو نیز سائمن رپورٹ میں یہ چیز بھی موجود ہے کہ ملک کو مختلف علاقوں میں نئے سرے سے اُسی اصول پر تقسیم کیا جائے جسکا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ سائمن کمیشن کی ان سفارشات کی میں پوری پوری تائید کرتا ہوں لیکن اسکے ساتھ میں اس اضافہ کی بھی جرأت کرتا ہوں کہ صوبوں کی جدید تقسیم دو شرطوں کے ماتحت ہونی چاہیئے۔ اول یہ کہ تقسیم جدید دستور کے نفاذ سے پہلے ہو جانی چاہیئے اور دوسرے اسکی نوعیت ایسی ہونی چاہیئے کہ اس سے آئے دن کے فرقہ وارانہ جھگڑوں کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ ہو جائے اگر صحیح طریق پر صوبوں کی جدید تقسیم عمل میں آگئی تو ہندوستان کے آئینی مباحث میں سے جداگانہ اور مخلوط حلقہ ہائے انتخاب کا مسئلہ خود بخود معدوم ہو جائے گا کیونکہ صوبجات کی موجودہ ترکیب ہی موجودہ مناقشات کی سب سے بڑی وجہ ہے، ہندو کا خیال ہے کہ

جُداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کا اُصول حقیقی قومیت پرستی کے منافی ہے، قومیت کا جو تصور اُس نے قایم کر رکھا ہے اُس سے مفہوم یہ ہے کہ مختلف جماعتیں اور فرقے یوں ایک دوسرے میں مدغم ہوجائیں۔ کہ کسی جماعت کا جُداگانہ انفرادی تشخص باقی نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورتِ حالات موجود نہیں۔ اور نہ اُسکا ہونا مناسب ہے، ہندوستان مختلف النسل اور مختلف المذاہب انسانوں کا مُلک ہے۔ اسکے ساتھ ہی مسلمانوں کی عام اقتصادی پستی، تمام ہندوستان میں بالعموم اور پنجاب میں بالخصوص اُنکا لاتعداد قرضہ صوبوں میں اُن کی ایسی ناکافی اکثریت جو کسی وقت اقلیت میں بدلی جاسکتی ہے۔ اگر ان امور کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو آپ پر بالکل واضح ہوجائیگا کہ ہم جُداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کے لیئے اسقدر مضطرب کیوں ہیں؟ ایسے مُلک میں اور ایسے حالات کے ماتحت فیڈریشن میں اگر اقوام کی نمائندگی کی بجائے صُوبوں کی نمائندگی ہو تو اس سے ہر ایک طبقہ کے مفاد کی صحیح صحیح نمائندگی نہیں ہوسکے گی اور اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ زمامِ حکومت چند افراد کے ہاتھ میں (Oligarchy) رہے گی۔ ہاں! اگر موجودہ صوبجاتی تقسیم کی بجائے ہندوستان کی جدید تقسیم مختلف قوموں کی لسانی، نسلی تمدنی "کلچرل" اور مذہبی ہم آہنگی کی بنیاد پر کردی جائے تو مسلمانوں کو اسپر کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ فیڈریشن میں بجائے مختلف اقوام کی نمائندگی کے مختلف علاقوں کی نمائندگی ہو۔

سائمن رپورٹ اور فیڈریشن

لیکن جہاں تک مرکزی فیڈرل حکومت کے اختیارات کا تعلق ہے جو نظامِ حکومت "ہندوستانی پنڈتوں" (یعنی نہرو رپورٹ) اور "انگلستانی پنڈتوں" (یعنی سائمن رپورٹ) نے تجویز کیا ہے۔ اسکی پشت پر جو جذبات کارفرما ہیں۔ ان میں ایک ایسا باریک فرق ہے جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ہندوستانی پنڈت" مرکز کو بحالتِ موجودہ قایم رکھنا چاہتے ہیں (یعنی) وہ فیڈریشن کی بجائے یونیٹری (Unitary) کی شکل کی حکومت قایم کرنا چاہتے ہیں جس میں تمام

صوبے مرکز کے ماتحت رہتے ہیں، انکی خواہش یہ ہے کہ حکومت کی باگ ڈور مرکزی اسمبلی کے ہاتھ میں ہو جسے وہ بصورتِ موجودہ قائم رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ موجودہ نامزدگی (Nomination) کا سلسلہ ختم ہو جانے پر مرکزی اسمبلی میں اُن کی اکثریت اور بھی زیادہ مضبوط و مستحکم ہو جائے گی، برعکس اسکے چونکہ "انگلستانی پنڈت" یہ محسوس کرتے ہیں کہ مرکز کی جمہوریت اُنکے مفاد کے خلاف جائے گی۔ اور اگر ذمہ دار حکومت کے حصول کے لیئے ایک قدم بھی آگے بڑھا تو جو اختیارات آج اُنکے ہاتھ میں ہیں۔ وہ بھی اُن سے چھین جائینگے۔ اسلیئے وہ جمہوری نظام کو مرکز کے بجائے صوبوں کی طرف منتقل کر دینے کی فکر میں ہیں۔ بلاشبہ وہ فیڈریشن کے اصول کی ترجیح کر رہے ہیں اور چند تجاویز کی رو سے اُنہوں نے اسکا آغاز بھی کر دیا ہے۔ لیکن جن مقاصد کے پیش نظر وہ اس اصول کی قدر و قیمت متعین کر رہے ہیں وہ اُن مقاصد سے بالکل مختلف ہیں جنکے ماتحت ہندوستان کے مسلمان اس کی قدر و قیمت متعین کرتے ہیں مسلمان فیڈریشن کا مطالبہ اسلیئے کرتے ہیں کہ اسکے ذریعہ سے ہندوستان کا مشکل ترین عقدہ یعنی فرقہ وار مسئلہ حل ہو جائیگا۔ لیکن شاہی کمیشن (Royal commission) کے ارکان کے ذہن میں فیڈریشن کا جو تصور ہے وہ اصولاً کتنا ہی درست و محکم کیوں نہ ہو اُن کی غرض و غایت یہ معلوم نہیں ہوتی کہ فیڈرل ریاستوں کو مکمل طور پر خود مختار کر دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں جمہوریت کے نفاذ سے برطانیہ کے لیئے جو صورت حالات پیدا ہوگی۔ اُس سے بچاؤ کی کوئی شکل نکل آئے۔ انہیں فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل کی کوئی فکر ہی نہیں اس لیئے وہ اسے جوں کا توں چھوڑ رہے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں تک حقیقی فیڈریشن کا تعلق ہے۔ سائمن رپورٹ فیڈریشن کے اصول کی اصلی ماہیئت کو ہی رد کر رہی ہے۔ نہرو رپورٹ کے واضعین اس چیز کو بھانپ کر کہ مرکزی اسمبلی میں اکثریت ہندوؤں کو حاصل ہوگی وحدتی نظامِ حکومت (Unitary form of Govt.) کی تجویز پر آگئے ہیں کیونکہ اس نظامِ حکومت کی رو سے ہندوؤں کو سارے ہندوستان پر عام غلبہ و اقتدار حاصل ہو جائے گا

سائمن رپورٹ برائے نام فیڈریشن کے چلمنی پردہ کی آڑ میں موجودہ برطانوی اقتدار کو
قائم رکھنا چاہتی ہے۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ اہل برطانیہ قدرتی طور پر اس اقتدار سے دستکش نہیں ہونا
چاہتے جو انہیں آج تک حاصل رہا ہے اور کچھ اسلیئے کہ اگر ہندوستان کی مختلف اقوام میں باہمی سمجھوتہ
نہ ہو تو اہل برطانیہ کو بہانہ ملجاتا ہے کہ موجودہ طاقت اپنے ہی ہاتھ میں رکھیں۔ جہاں تک وحدتی نظام
حکومت کا تعلق ہے وہ تو میرے نزدیک آزاد ہندوستان میں قابلِ التفات ہی نہیں باقی رہی فیڈریشن
تو وہ اِس قسم کی ہونی چاہیئے کہ اس میں باقیماندہ اختیارات Residuary Powers
کلیتہً خود مختار ریاستوں کے ہاتھ میں رہیں اور مرکزی فیڈرل حکومت صرف انہی اختیارات
کے استعمال کی اہل ہو جو مختلف آزاد ریاستیں اپنی رضامندی سے اسکی تحویل میں دیدیں
میں مسلمانانِ ہند کو کبھی ایسے نظام کے منظور کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا جس میں
حقیقی فیڈریشن کا اصول ناپید ہو یا جس میں مسلمانوں کی انفرادی ملّی ہستی کو تسلیم نہ
کیا جائے، خواہ وہ نظام برطانوی الاصل ہو یا ہندی الاصل۔

فیڈرل اسکیم اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس

مرکزی حکومت کی وضع و ہیئت میں تبدیلی کی ضرورت کا احساس اغلباً اس سے
بہت پہلے ہو رہا تھا جب کہ برطانیہ نے اس کے نفاذ کے موثر ذرائع اختیار کرنے کا خیال کیا یہی وجہ
ہے کہ اِس امر کا اعلان کہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں والیانِ ریاست کی شرکت بھی نہایت
ضروری ہے بہت دیر کے بعد کیا گیا۔ والیانِ ریاست کی طرف سے گول میز کانفرنس
میں دفعتہً آل انڈیا فیڈریشن میں شرکت پر آمادگی کا اظہار، اور اس اعلان کے
ساتھ ہی ہندو مندوبین کا جواب تک وحدتی نظامِ حکومت کے بالکل غیر متزلزل حامی چلے
آتے تھے۔ خاموشی سے فیڈرل اسکیم کی ترتیب پر اظہار رضامندی باشندگان ہند کے
لیئے علی العموم اور اقلیتوں کے لیئے علی الخصوص بڑا تعجب انگیز تھا حتیٰ کہ مسٹر شاستری نے

بھی جنہوں نے چند ہی روز قبل ہندوستان کے لئے فیڈرل سکیم کی سفارش کی پاداش میں
سر جان سائمن پر سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی تھی - اپنی رائے بدل لی - اور اس تبدیلی رائے
کا کانفرنس کے پہلے اجلاس عام میں اعتراف کیا اور اِس طرح وزیر اعظم انگلستان کیلئے
اپنی افتتاحی تقریر میں ایک نہایت برجستہ فقرہ چست کرنے کا سامان فراہم کر دیا -
انگریزوں کی یہ خواہش کہ والیانِ ریاست آل انڈیا فیڈریشن میں شریک ہو جائیں اور ہندوؤں کا یہ اقدام کہ انہوں نے فیڈرل حکومت کو بلا تامل منظور کر لیا خالی از علت نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ والیانِ ریاست
(جن میں مسلمانوں کی تعداد بہت قلیل ہے) کے فیڈریشن میں شامل ہونے سے دو نتیجے بالکل عیاں
ہیں۔ یعنی یہ چیز ایک طرف تو ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے علیٰ حالہ استحکام اور
اور استقرار کا باقاعدہ ذریعہ بن جائے گی - اور دوسری طرف آل انڈیا فیڈرل اسمبلی میں
ہندوؤں کو ایک زبردست اکثریت حاصل ہونے کا موجب ہو گی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے،
کہ مرکزی حکومت کی آخری وضع و ہیئت کے سلسلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے
اختلافات کو برطانوی مدبرین نہایت شاطرانہ انداز سے والیانِ ریاست کے مہروں
کی وساطت سے اپنی مطلب برآری کا ذریعہ بنا رہے ہیں - ادھر والیانِ ریاست
کو اس سکیم میں اپنی مطلق العنان حکومت کے برقرار رکھنے کے بہتر امکانات نظر آ رہے ہیں
اگر مسلمانوں نے خاموشی کے ساتھ کسی ایسی سکیم کو منظور کر لیا تو وہ یاد رکھیں کہ اِس طرح وہ اپنی جداگانہ ملی ہستی کی قبر اپنے ہاتھوں سے کھود ڈالیں گے۔ ہندوستان میں اِس وضع کی فیڈرل حکومت کی پالیسی حقیقتاً ہندو
والیانِ ریاست کے ہاتھ میں ہو گی۔ کیونکہ مرکزی فیڈرل اسمبلی میں انہی کی تعداد سب سے
زیادہ ہو گی اور وہ ان تمام معاملات میں جن کا تعلق برطانوی شہنشاہیت سے ہو گا، تاج برطانیہ
کی پوری پوری حمایت کریں گے، اور جہاں تک اندرونی نظم و نسق کا تعلق ہے وہ ہندوؤں کے

تسلط اور اقتدار کو برقرار رکھنے اور اسے اور زیادہ مستحکم کرنے میں ہر طرح کی مدد دیں گے
بہ الفاظ دیگر اس سکیم کا مقصد یہ ہے کہ برطانوی امپیریلزم اور ہندو انڈیا
میں ایک ایسا سودا ہو جائے جس کی رو سے ہند و ہندوستان میں
انگریز کے وجود کو دائمی بنا دیں اور انگریز اس کے صلہ میں ہندوستان
میں ہندوؤں کو ایک ایسا نظام حکومت عطا کر دیں جس میں تمام دیگر
اقوام ہندوؤں کی مستقل غلامی کے پھندے میں جکڑی رہیں ۔ لہذا اگر
برطانوی ہند کے صوبوں کو حقیقی معنوں میں خود مختار ریاستوں میں متشکل نہ کیا گیا تو ہندوستان
کی فیڈریشن میں والیانِ ریاست کی شمولیت کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ سمجھا جائے گا کہ
انگریز اپنے خاص شاطرانہ انداز میں ایسی چال چلنا چاہتا ہے کہ اپنے
ہاتھ سے کچھ نہ جائے ۔ اور ہر ایک کو خوش بھی کر دیا جائے یعنی مسلمان
کو فیڈریشن کے لفظی کھلونے سے ۔ ہندو کو مرکز میں اکثریت سے اور
برطانوی ملوکیت کو خواہ وہ ٹوری 'Tory' ہوں یا لیبر (Labourites)
حقیقی اختیارات کی تفویض سے ۔ ہندوستان میں ہندو ریاستوں کی تعداد
مسلم ریاستوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ برطانوی ہند
اور ریاستوں کے نمائندوں سے مرکب مرکزی ایوان (House) یا ایوانوں Houses
میں مسلمانوں کے تینتیس ۳۳ فی صدی مطالبہ کو کس طرح پورا کیا جاتا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ
فیڈریشن کی جس سکیم پر گول میز کانفرنس میں بحث ہوئی ہے ۔ مسلم مندوبین اس کے
متعلقات سے پورے طور پر آگاہ ہیں ۔ مجوزہ آل انڈیا فیڈریشن میں مسلمانوں کی نیابت
کا مسئلہ ابھی تک زیر بحث نہیں آیا ۔ رپوٹر نے ملخصاً لکھا ہے ۔

"فیڈرل کمیٹی کی سفارشات کے مسودہ (Interim report) میں دو ایوانوں
کی تجویز پیش کی گئی ہے ۔ دونوں میں برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کے نمائندے

شریک ہوں گے۔ ان کے تناسب کے معاملہ پر بعد میں فیڈرل سب کمیٹی ان عنوانات کے زیر نظر غور کرے گی جو ابھی اس کمیٹی کے لئے متعین نہیں کئے گئے۔"

میری رائے میں تناسب کا معاملہ بے حد اہم ہے اور اس پر اسمبلی کی وضع و ہیئت کے ساتھ ہی غور ہونا چاہیئے تھا۔ میرے خیال میں بہترین طریق کار یہ تھا کہ سردست صرف برطانوی ہند کے صوبوں کی فیڈریشن بنائی جاتی ہے۔ فیڈریشن کی جس سکیم کا آغاز جمہوریت (صوبوں کے منتخب شدہ نمائندے) اور استبداد (ریاستوں کے نامزدہ نمائندے) کے غیر مقدس اتحاد سے ہوگا۔ اس سے اس کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ ہندوستان وحدتی نظام حکومت کے گورکھ دھندے میں الجھا رہے۔ یہ وحدتی نظام انگریزوں کے لئے۔ برطانوی ہند کی سب سے بڑی قوم کے لئے (یعنی ہندوؤں کے لیے) اور والیانِ ریاست کے لئے بہت سے فوائد کا سرچشمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن **مسلمانوں کو اس سے اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا جب تک انہیں ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے پانچ میں مکمل اختیارات (یعنی باقیماندہ اختیارات Residuary Powers فیڈریشن کے بجائے صوبوں کی تحویل میں ہوں) کے ساتھ اکثریت حاصل نہ ہو جائے** نیز فیڈرل اسمبلی کے ارکان کی مجموعی تعداد میں ایک تہائی نشستیں نہ مل جائیں۔ جہاں تک برطانوی ہند کے صوبوں کو مکمل اختیارات تفویض کرنے کا تعلق ہے۔ اعلیٰحضرت نواب صاحب بھوپال، سر اکبر حیدری اور مسٹر جناح کا مطالبہ نہایت مستحکم بنیادوں پر مبنی ہے۔ چونکہ اب والیانِ ریاست بھی ہندوستانی فیڈریشن میں شامل ہو رہے ہیں اس لئے برطانوی ہند کی اسمبلی میں مسلمانوں کی نیابت کے مسئلہ پر ازسرِنو غور ہونا چاہیئے۔ اب سوال صرف برطانوی ہند کی اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی کا نہیں۔ بلکہ تمام ہندوستان کی فیڈرل اسمبلی میں برطانوی ہند کے مسلمانوں کی نیابت کا

ہے۔ اب ہمارا یہ مطالبہ یوں پیش ہونا چاہیئے کہ ہمیں آل انڈیا فیڈرل اسمبلی میں ایک تہائی نشستیں دیجائیں اور فیڈریشن میں شامل ہونے والی مسلم ریاستوں کی نمائندگی کو اس ایک تہائی سے علحدہ رکھا جائے۔

مسئلہ دفاع (Defence)

ایک اور مشکل مسئلہ جو ہندوستان میں فیڈریشن کو کامیابی سے چلانے کے راستہ میں مزاحم ہو رہا ہے۔ ہندوستان کی مدافعت کا مسئلہ ہے۔ شاہی کمیشن کے ارکان نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ہندوستان کی تمام خامیوں کو ابھار کر سامنے لا کھڑا کیا ہے تاکہ فوج کے نظم و نسق کی باگ ڈور حکومت برطانیہ کے ہاتھ میں رکھنے کے لئے وجہ جواز پیدا کر سکیں۔ ارکان کمیشن لکھتے ہیں کہ :-

"ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات کچھ اس قسم کے واقع ہوئے ہیں کہ ہندوستان کے دفاع کو اس وقت یا مستقبل قریب میں ایسا مسئلہ نہیں قرار دیا جا سکتا جس کا تعلق خالصتہً ہندوستان سے ہو۔ فوج پر کامل اختیارات ملک معظم کی حکومت کے کارندوں کے ہونگے اور وہی اس کا نظم و نسق کرینگے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مذکورہ صورت حالات کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ برطانیہ ہند میں ذمہ دار حکومت کی طرف پیش قدمی کا دروازہ اسوقت تک بند سمجھا جائے جب تک ہندوستان برطانوی افسروں اور برطانوی فوجوں کی امداد کے بغیر اپنی مدافعت کا پورا اہل نہ بن جائے۔ بحالات موجودہ آئینی ترقی کے راستے میں ایک رکاوٹ تو ضرور موجود ہے اور وہ یہ کہ اگر نہرو رپورٹ کی تجویز کے مطابق اس امر پر اصرار کیا جائے کہ کسی آئندہ تغیر و تبدل

میں یہ بات بھی شامل ہے کہ فوج کا نظم و نسق منتخب مجلس وضع قوانین کی تحویل
میں چلا جائے۔ تو اس بات کا خطرہ ہے کہ یہ جو امیدیں بندھ رہی ہیں کہ مرکزی
حکومت ارتقائی منازل طے کر کے اس نصب العین تک پہنچ جائے جس کا ذکر
۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان میں کیا گیا ہے۔ وہ ایک غیر معین مدت تک کے
لئے دھری کی دھری رہ جائیں گی"

اپنی اس دلیل کو اور زیادہ مستحکم کرنے کے لئے ارکانِ کمیشن نے اس بات
پر بھی زور دیا ہے، کہ ہندوستان میں ایسے مذاہب موجود ہیں جو ایک دوسرے سے
آگے نکل جانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور ایسی قومیں موجود ہیں جن کی قومیں
ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور جن میں باہمی چشمک ہر وقت موجود رہتی
ہے۔ اور ارکان کمیشن نے یہ کہہ کر مسئلہ کو بالکل لاینحل بنانے کی کوشش کی ہے کہ

"یہ حقیقت کہ ہندوستان عام محاورہ کے مطابق ایک احد قوم
(Nation) نہیں ہے۔ کہیں اتنی ابھر کر سامنے نہیں آتی جتنی اس خیال
کو پیش نظر رکھنے سے نمایاں ہو جاتی ہے کہ ہندوستان کی عسکری اور غیر عسکری
اقوام میں کتنا بڑا فرق ہے"

کمیشن نے مسئلہ کے ان پہلوؤں کو اس شد و مد سے بیان کر کے یہ ثابت کرنے کی
کوشش کی ہے کہ انگریز ہندوستان کو محض بیرونی خطرات ہی سے محفوظ نہیں کر رہے بلکہ اس
کے اندرونی امن و سکون کے بھی غیر جانبدار محافظ ہیں۔

**فیڈریشن کا جو نظام میرے ذہن میں ہے اس کی رو سے ہندوستان
میں فیڈریشن کے نافذ ہو جانے کے بعد صرف بیرونی حفاظت ہی کا
سوال باقی رہ جائے گا۔** تمام صوبوں میں داخلی امن کے قیام کے لئے لازماً فوجیں موجود
ہوں گی۔ ان کے علاوہ ہندوستان کی فیڈرل کانگریس، ہندوستان کی شمال و مغربی

سرحد پر ایک طاقت ور سرحدی فوج متعین کر دے گی جس میں عام صوبوں کے دستے شامل ہوں گے اور تمام قوموں کے قابل و کارواں فوجی افسروں کے ہاتھ میں ان کی قیادت ہوگی۔ میں جانتا ہوں کہ ہندوستان میں اس وقت قابل فوجی افسر موجود نہیں ہیں اور کمیشن کے ارکان نے اسی امر واقعہ کو پیش کر کے نظم و نسقِ فوج کو ملک معظم کی حکومت کے ہاتھ میں رکھنے کے لئے وجہ جواز پیدا کی ہے۔ اس معاملے کے متعلق میں سائمن رپورٹ سے ایک اقتباس پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو میری رائے میں خود کمیشن کی اختیار کردہ پوزیشن کے خلاف ایک محکم دلیل ہے رپورٹ مظہر ہے کہ:

"جن ہندوستانیوں کو ملک معظم کی طرف سے شاہی کمیشن ملا ہوا ہے ان میں سے کسی کو بہ حالاتِ موجودہ کپتانی سے اونچا فوجی منصب حاصل نہیں ہماری معلومات کے مطابق اس وقت ۳۹ کپتان ہیں جن میں سے ۲۵ عام رجمنٹوں میں مامور ہیں۔ ان میں سے بعض کی عمر اتنی ہے کہ اگر وہ ضروری امتحانات پاس بھی کر لیں تو بھی پنشن پانے سے پیشتر کپتانی سے اونچا عہدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اکثر ایسے ہیں جنہوں نے سینڈہرسٹ کے فوجی کالج میں تعلیم نہیں پائی۔ بلکہ جنگِ عظیم میں انہیں کمیشن مل گئے۔ جب حالت یہ ہے تو تغیر کی حالت کتنی ہی مخلصانہ اور اسے عمل میں لانے کی کوشش کتنی ہی سرگرم کیوں نہ ہو ظاہر ہے کہ نشو و ارتقا کی رفتار بہت سست اور مدھم رہے گی اس سلسلے میں رکاوٹ پیدا کرنے والے ان حالات کو بھی مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ جو سکین کمیٹی نے (جس کے ممبر سب دیسی شرفار تھے) ان موثر الفاظ میں بیان کئے ہیں کہ "ترقی بہرحال اس امر پر موقوف ہوگی کہ ہر مرحلہ میں کامیابی حاصل کیجائے اور فوجی صلاحیت کو برقرار رکھا جائے" موجودہ ہندوستانی افسر تمام کے تمام چھوٹے درجے کے ہیں اور ان کا تجربہ بہت محدود ہے ان میں سے اونچے درجے کے افسر قلیل مدت میں پیدا نہیں کئے جا سکتے۔ جب تک افسروں کے درجے میں موزوں ہندوستانیوں کی بھرتی کی تعداد میں معتدبہ اضافہ نہیں ہوگا (اور ہم انکی تعداد میں اضافہ کے دل سے خواہاں ہیں)

جبتک ہندوستانیوں کی کافی تعداد تعلیم و تجربہ حاصل کرکے اس قابل نہیں ہو جائیگی کہ کم از کم چند ہندوستانی رجمنٹوں کے سارے عہدے سنبھال سکیں جب تک ایسے دستے اپنی صلاحیت کا پورا عملی ثبوت نہ دینگے، جب تک ہندوستانی افسر کامیاب فوجی خدمت کے ذریعہ اعلیٰ کمان کے قابل نہیں بن جائینگے سو وقت تک یہ پالیسی کہ تمام فوج ہندوستانی افسروں پر مشتمل ہو بروئے کار نہیں لائی جا سکتی۔ پھر بھی اس سکیم کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے سالہاسال درکار ہوں گے۔"

اب میں یہ دریافت کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس صورت حالات کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا یہ ہماری عسکری اقوام کی فطری ناقابلیت کا نتیجہ ہے یا فوجی تعلیم دینے کی سستی رفتار کا؟ ہماری عسکری اقوام کی فوجی صلاحیت ناقابل انکار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فوجی تعلیم کے لئے دوسری تعلیمات کے مقابلے میں زیادہ وقت درکار ہو۔ میں فوجی معاملات کا ماہر نہیں ہوں کہ اس چیز کا صحیح اندازہ کرسکوں لیکن ایک عام آدمی کی حیثیت سے میں محسوس کرتا ہوں کہ مذکورہ استدلال کے مطابق یہ لائحہ عمل تو ایک لامتناہی سلسلہ نظر آتا ہے۔ اس کا مطلب صاف الفاظ میں یہ ہے کہ ہندوستان ہمیشہ کے لئے غلامی کی زنجیروں میں جکڑا رہے۔ لہذا یہ اور بھی ضروری ہے کہ نہرو رپورٹ کی تجویز کے مطابق سرحدی فوج کے مسئلہ کو ایک ایسی کمیٹی کے حوالے کر دیا جائے جس کے عناصر ترکیبی کا فیصلہ باہمی سمجھوتے سے کر لیا جائے۔ اگر یہاں فیڈرل حکومت قائم ہو گئی تو مجھے یقین ہے کہ اسلامی ریاستیں ہندوستان کی حفاظت کے لئے ایک غیر جانب دار ہندوستانی فوج اور غیر جانب دار ہندوستانی بحری طاقت کی تعمیر پر بصد خوشی رضامند ہو جائیں گی۔ مغلوں کے عہد میں اس قسم کی غیر جانب دار دفاعی فوج موجود تھی بلکہ اکبر کے زمانے میں سرحد ہند کی محافظ فوج کے تمام جرنیل ہندو تھے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ فیڈرل حکومت کے ماتحت غیر جانب دار ہندوستانی فوج کی سکیم کے پیش نظر مسلمانوں کے متعلق ہندوؤں کے یہ شکوک بھی بالکل رفع ہو جائیں گے۔ کہ مسلمانان ہند بیرونی حملے کی صورت میں اپنے ماورائے سرحد کے مسلمانوں کے ساتھ ملجائیں گے

دوسری شکل

میں نے اختصار کے ساتھ یہ بتانے کی کوشش کی ہے۔ کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو میری رائے میں اس ملک کے دو نہایت اہم آئینی مسئلوں کے متعلق کیا طریق عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں کا اہم مطالبہ یہ ہے کہ ہندوستان کی از سرِ نو اس انداز پر تقسیم کی جائے کہ اس سے فرقہ وارانہ مسئلہ کا مستقل طور پر حل ہو جائے (یعنے صوبوں کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ ان میں ہر قوم کو اپنی تہذیب کے مطابق اپنی نشوونما میں کامل آزادی حاصل ہو) لیکن اگر مسلمانوں کا یہ مطالبہ قابل التفات نہ سمجھا جائے تو میں پورے زور کے ساتھ اُن اسلامی مطالبات کی تائید کرتا ہوں جو آل انڈیا مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کی طرف سے بار بار پیش کئے جا چکے ہیں۔ مسلمانانِ ہند کسی ایسے آئینی تغیر پر ہرگز رضامند نہیں ہو سکتے جو جداگانہ انتخاب اور پنجاب اور بنگال میں ان کے حقوقِ اکثریت پر اثر انداز ہو یا اس امر کی ضمانت نہ دے کہ مرکزی مجلس وضع قوانین میں ان کی نیابت ایک تہائی یقینی طور پر ہوگی۔ مسلمانوں کے سیاسی رہنما اس سے پہلے دو موقعوں پر غلطی کھا چکے ہیں۔ اول میثاقِ لکھنؤ جس کی تخلیق ہندوستان میں "متحدہ قومیت" کے غلط نظریہ کے ماتحت کی گئی اور جس کی رُو سے مسلمانانِ ہند کے سیاسی اقتدار کے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے۔ دوسرے وہ کوتاہ نگہی جو پنجاب کے مسلمانوں کی دیہاتی Rural اور شہری Urban تقسیم کا موجب بنی۔ اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کی وحدت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور یوں پنجاب کے مسلمانوں کی اکثریت اقلیت میں بدل گئی۔ لیگ کا فرض ہے کہ وہ میثاقِ لکھنؤ اور مسلمانانِ پنجاب کے دیہاتی اور شہری تقسیم کی تجویز کی مذمت کرے۔

سائمن رپورٹ نے مسلمانانِ پنجاب اور بنگال کے لئے آئینی اکثریت Statutory Majority کی سفارش نہیں کی اور اس طرح مسلمانوں کے ساتھ سخت بے انصافی کی ہے۔ اور یوں مسلمانوں کے لئے اس کے سوائے کوئی راستہ نہیں چھوڑا کہ وہ یا تو میثاقِ لکھنؤ پر قانع رہیں یا مخلوط انتخاب کی سکیم منظور کریں۔

سائمن رپورٹ کے متعلق حکومت ہند کے خریطہ Despatch میں اس حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے کہ رپوٹ شائع ہونے کے وقت سے لے کر اس وقت تک مسلمانوں نے ان تجاویز میں سے کسی ایک کے قبول کرنے کے متعلق بھی رضامندی کا اظہار نہیں کیا۔ حکومت ہند نے اس خریطہ میں یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ بنگال اور پنجاب کے مسلمانوں کو حقوق اکثریت سے اس بنا پر محروم کر دینا کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اقلیت ہے۔ ان میں اُنہیں زائد نشستیں Weightage دی گئی ہیں مسلمانوں کے لئے جائز شکایات کا موجب ہو گا لیکن اس کے باوجود حکومت ہند نے سائمن رپورٹ کی اس مجوزہ بے انصافی کی کوئی تلافی نہیں کی۔ بہر نوع لارڈ ارون اور اُن کی حکومت نے تسلیم کر لیا ہے کہ اکثریت کے لئے فرقہ وارانہ نیابت اس وقت تک باقی رہنی چاہیئے جب تک کہ حق رائے دہندگی Franchise کو اتنا وسیع نہ کر دیا جائے کہ اس سے ہر قوم کے ووٹ دینے والوں کی تعداد کا تناسب قریب قریب وہی ہو جو ان کی کل آبادی کا تناسب ہے، اور دوسرے جب تک صوبہ کی مجلس مقننہ کے مسلم ارکان دو تہائی اکثریت کے ساتھ جُداگانہ انتخاب سے دست برداری پر رضامندی کا اظہار نہ کریں۔ لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ باوجودیکہ حکومت ہند مسلمانوں کی شکایات کو حق بجانب تسلیم کرتی ہے، پھر بھی اس کو یہ ہمت کیوں نہیں پڑتی کہ پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں کو آئینی اکثریت دینے کی سفارش کرے

مسئلہ سندھ

ہندوستان کے مسلمان کسی ایسے نظام پر رضامند نہیں ہو سکتے جس میں سندھ کو ایک مستقل صوبہ نہ بنایا جائے اور صوبہ سرحد کی سیاسی حیثیت دوسرے صوبوں کے برابر نہ کر دی جائے۔ مجھے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ سندھ کو بلوچستان کے ساتھ ملا کر ایک مستقل صوبہ کیوں نہ بنا دیا جائے سندھ اور احاطہ بمبئی میں تو کوئی چیز بھی مشترک نظر نہیں آتی خود ارکان کمیشن اعتراف کرتے ہیں کہ طریق بود و ماند اور تمدن کے اعتبار سے سندھ ہندوستان کی بجائے عرب اور عراق سے زیادہ قریب ہے مشہور مسلم جغرافیہ دان مسعودی نے اس حقیقت کو بہت پہلے محسوس کر لیا تھا جب اُس نے کہا تھا کہ "سندھ ایک ایسا ملک ہے جسے ہندوستان کی بجائے ممالک اسلامیہ سے زیادہ قرب حاصل ہے"۔ روایت ہے کہ اُمیہ خاندان کے پہلے حکمراں نے مصر کے متعلق کہا تھا کہ "اس کی پُشت

افریقہ کی طرف ہے اور منہ عرب کی طرف" ضروری ترمیمات کے ساتھ یہی قول سندھ کی اصلی پوزیشن کو بھی واضح کردیتا ہے۔ مصر کی طرح سندھ کی بھی پشت ہندوستان کی طرف ہے اور منہ وسط ایشیا کی طرف۔ علاوہ بریں جب ہم سندھ کے زرعی وسائل اور معاملات پر غور کرتے ہیں جو اپنے متعلق حکومت بمبئی کے دل میں کبھی جذبات ہمدردی پیدا نہیں کرسکتے۔ نیز جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ کراچی لازماً نشوو ارتقا پاکر ہندوستان کا دوسرا سب سے بڑا تجارتی شہر بن جائیگا اور اس سے سندھ کی تجارت میں لامتناہی ترقی کے امکانات پیدا ہوجائیں گے تو صاف نظر آجاتا ہے کہ سندھ کو احاطہ بمبئی کے ساتھ وابستہ رکھنا تدبّر اور دوراندیشی کے منافی ہے، کیونکہ اگرچہ آج ان دونوں کے درمیان بہ ظاہر کش مکش نہیں لیکن مستقبل قریب میں ان کے درمیان جذباتِ رقابت پیدا ہونے کے بہت امکانات ہیں۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ علیحدگی سندھ کے راستہ میں مالی مشکلات حائل ہیں اس مسئلہ کے متعلق آج تک میرے سامنے کوئی قطعی اور مستند بیان نہیں آیا۔ لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے کہ واقعی اس قسم کی مشکلات موجود ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ حکومت ہند ایک ہونہار صوبہ کو مستقل نشوو ارتقاء کی جدوجہد میں عارضی طور پر مالی امداد دینے کے لئے آمادہ کیوں نہیں ہوتی۔

صوبہ سرحد

صوبہ سرحد کے متعلق یہ دیکھ کر بے حد قلق ہوتا ہے کہ ارکان کمیشن نے اس امر سے انکار ہی کردیا ہے کہ اس صوبہ کے باشندوں کو بھی اصلاحات کا کوئی حق حاصل ہے۔ کمیشن نے صوبہ سرحد کے لئے جو تجاویز پیش کی ہیں وہ بھی Bray کمیٹی کی تجاویز سے بھی کم ہیں اور اس صوبہ کیلئے جو کونسل تجویز کی گئی ہے اسے چیف کمشنر کی مطلق العنانی کو چھپانے کے لئے ایک نظر فریب پردے کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ افغان کے سگریٹ سلگانے کا فطری حق محض اس لئے چھین لیا گیا ہے کہ وہ اتفاق سے بارودخانہ Powder House میں مقیم ہے۔ ارکان کمیشن کا یہ تمثیلی استدلال بہ ظاہر کتنا ہی خوش آیند کیوں نہ ہو لیکن ہے بیحد ناقابل اطمینان۔ سیاسی اصلاحات کو "روشنی" کہنا چاہیئے نہ کہ "آگ" اور روشنی کا ہر انسان حق دار ہے، خواہ وہ بارودخانہ کے اندر مقیم ہو یا کوئلہ کی کان میں۔ افغان بہادر ہے، بالغ نظر ہے اور اپنے جائز حقوق کے لئے ہر تکلیف برداشت کرنے پر تلا بیٹھا ہے۔ اس لئے اسے کامل خوداختیاری حکومت کے مواقع سے محروم کرنے کی

جو کوشش کی جائے گی وہ یقیناً اس کی برافروختگی کا باعث ہوگی۔ ہندوستان اور انگلستان دونوں کے مفاد کا تقاضا یہی ہے کہ اس قوم کو مطمئن رکھا جائے۔ حال ہی میں اس بدنصیب صوبے میں جو الم انگیز واقعات پیش آچکے ہیں وہ اسی ناروا سلوک کا نتیجہ ہیں، جو ہندوستان میں خود اختیاری حکومت کا اصول نافذ کرنے کے وقت سے اہل سرحد کے ساتھ روا رکھا گیا۔ مجھے امید ہے کہ برطانوی مدبرین صوبہ سرحد کی موجودہ بے چینی کو بیرونی اسباب کا نتیجہ قرار دے کر صورت حالات کے صحیح اندازہ سے چشم پوشی نہیں کریں گے۔

صوبہ سرحد کے متعلق حکومت ہند کے خریطہ میں جو سفارشات کی گئی ہیں۔ وہ بھی اطمینان بخش نہیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس خریطہ میں ایک نام نہاد مجلس نمائندگان اور ایک نیم نمائندہ Semi-representative سی کابینہ مہیا کر کے سائمن رپورٹ کی سفارشوں پر اضافہ کر دیا گیا ہے لیکن یہ محض اشک شوئی ہے کیونکہ اس اہم ترین مسلم صوبے کو دوسرے ہندوستانی صوبوں کی سطح پر نہیں لایا گیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ افغان فطرتاً ہندوستان کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں جمہوری ادارات کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

گول میز کانفرنس

میرا فرض ہے کہ اب میں گول میز کانفرنس کے متعلق بھی کچھ عرض کروں۔ ذاتی طور پر گول میز کانفرنس کے نتائج کے متعلق میری توقعات کچھ زیادہ خوش آئند نہیں ہیں۔ امید تو یہ تھی کہ فرقہ وارانہ مناقشات کی کش مکش گاہ سے دور نئی فضا زیادہ بصیرت افروز ہوگی۔ اور ہندوستان کی دو بڑی قوموں میں اختلاف کا مخلصانہ تصفیہ آزادی ہند کے مقصد کو قریب تر لے آئیگا۔ لیکن واقعات کچھ اور ہی داستان سنا رہے ہیں لندن میں فرقہ وارانہ مسائل کے متعلق جو بحث و تمحیص ہوئی اس سے یہ حقیقت کہ ہندوستان میں ان دو بڑی تہذیبوں کی حامل اقوام میں کس قدر اصولی اختلافات موجود ہیں اس انداز سے عریاں ہوگئی کہ اس سے پیشتر شائد ہی کبھی ایسا ہوا ہو۔ اس کے باوجود وزیر اعظم انگلستان اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے گریزاں ہے کہ ہندوستان کا مسئلہ قومی مسئلہ نہیں۔ بلکہ بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ بیان کیا جاتا

ہے کہ وزیر اعظم نے کہا کہ میری حکومت کے لئے مشکل ہوگا کہ وہ پارلیمنٹ کے سامنے جداگانہ انتخاب کے حق میں تجاویز پیش کر سکے۔ اس لئے کہ مخلوط انتخاب کے اصول کو برطانیہ کے خیالاتِ جمہوریت کے ساتھ زیادہ مطابقت حاصل ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ وزیر اعظم انگلستان نے یہ سوچا ہی نہیں کہ ایک ایسی سرزمین میں جہاں مختلف قومیں آباد ہوں برطانوی جمہوریت کے نمونہ پر کوئی نظام حکومت قابل عمل نہیں ہو سکتا۔ اور اس لئے یہ بھی نہیں سمجھا کہ مخلوط انتخاب تو ایک طرف، خود جداگانہ انتخاب بھی اس تجویز کا نعم البدل نہیں ہو سکتا جو تہذیبی خطوں کے مطابق صوبوں کی از سر نو تقسیم پر مشتمل ہے۔ اقلیتوں کی سب کمیٹی میں بھی اطمینان بخش تصفیہ کی کوئی امید نہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام کا تمام مسئلہ برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے ہو اور ہمارا خیال ہے کہ تیز بین برطانوی مدبرین اکثر ہندوستانی سیاست دانوں کی طرح اس مسئلہ کو سطحی نظر سے نہیں دیکھیں گے بلکہ اس کی گہرائیوں میں اتر کر ہندوستان جیسے ملک میں امن و سکون کے صحیح اصول و مبادی کا واضح طور پر مشاہدہ کرلیں گے۔ ہندوستان کے لئے نظامِ حکومت کی بنیادیں "متحدہ قومیت" کے غلط تصور پر رکھنا یا یہاں ان اصولوں کو ٹھونسنا جو برطانیہ کے اندازِ جمہوریت کے رہینِ منت ہوں، ہندوستان کو آئے دن نہیں بلکہ اسے نادانستہ خانہ جنگی کے لئے تیار کرنا ہے۔ جہاں تک میری بصیرت کام دیتی ہے اس ملک میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہندوستان میں بسنے والی مختلف اقوام کو ایسے مواقع بہم نہ پہونچائے جائیں کہ وہ اپنے ماضی کے شجر مقدس سے پیوستہ رہتے ہوئے عصرِ حاضر کے داعیات کے مطابق خود مختارانہ اپنی ملت کی نشو و نما کر سکیں۔

مقامِ مسرت ہے کہ ہمارے مسلم مندوبین اس مسئلہ کو صحیح اصول پر حل کرنے کی اہمیت سے پورے طور پر آگاہ ہیں جسے میں نے ہندوستان کا بین الاقوامی مسئلہ کہا ہے وہ اس بات پر زور دینے میں بالکل حق بہ جانب ہیں کہ مرکزی حکومت میں خود مختارانہ حکومت کے مسئلہ سے پیشتر فرقہ وارانہ مسئلہ کا تصفیہ کر لیا جائے۔ کسی مسلم سیاست دان کو فرقہ پرستی Communalism کے طعن سے گھبرانا نہیں

چاہیئے جسے اغیار نے محض مخالفانہ پروپیگنڈہ کے لئے اختیار کیا ہے اور اسے اس غرض سے ایجاد کیا گیا ہے کہ اہل برطانیہ کے جذبات جمہوریت کو اپیل کر کے اپنا اُلّو سیدھا کیا جائے اور اس طرح ہندوستان میں جس چیز (متحدہ قومیت) کا وجود ہی نہیں اسے انگلستان کو باور کرا کر اسے خواہ مخواہ غلط راستہ پر لگا دیا جائے۔ اس وقت سر دھڑ کی بازی لگ رہی ہے۔ ہم تعداد میں بھی سات کروڑ ہیں۔ اور ہندوستان کی کوئی دوسری قوم ایسی نہیں جو ہماری طرح یک رنگ و ہم آہنگ ہو۔ بلکہ ہندوستان کی تمام اقوام میں صرف مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جس پر صحیح معنوں میں موجودہ زمانے کے مفہوم کے مطابق لفظ قوم کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ہندو ہم سے ہر اعتبار سے آگے بڑھتے ہوئے ہیں لیکن ان میں آج تک وہ ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکی جو منتشر افراد کو ایک قومیت کے رشتہ میں منسلک کرنے کے لئے لا ینفک ہے اور جو آپ کو اسلام کی بارگاہ سے بلا مزد و قیمت بطور عطیہ کے مل گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آج ہندو ایک قوم بننے کے لئے بے حد مضطرب اور بے تاب ہیں لیکن افراد کو قوم بننے کے لئے ایسے ہی دشوار گذار مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔ جیسے قطرے کو گوہر بننے کے لئے۔ اور ہندو تو اس وقت تک ایک قوم بن ہی نہیں سکتے۔ جب تک کہ وہ اپنے تمام موجودہ معاشرتی نظام کو یکسر بدل نہ ڈالیں۔ نہ ہی مسلمان لیڈروں اور سیاست والوں کو اس قسم کے عیارانہ اور گمراہ کن استدلالات کی رو میں بہہ جانا چاہیئے کہ ترکی اور ایران اور دیگر ممالک اسلامیہ کے باشندے قومی یعنی جغرافیائی نظریات کے ماتحت ترقی کرتے جا رہے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے حالات بالکل مختلف ہیں، ہندوستان سے باہر کے اسلامی ممالک میں قریب قریب تمام آبادی مسلمانوں کی ہے اور وہاں کی اقلیتیں بہ اصطلاح قرآن کریم "اہل کتاب" پر مشتمل ہیں اور اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان کوئی معاشرتی حد بندی نہیں ہے۔ کوئی یہودی یا عیسائی یا اہل زرتشت اگر مسلمان کے کھانے کو چھو دے تو اس کا کھانا بھرشٹ نہیں ہو جاتا اور اسلامی شریعت میں اہلِ کتاب کی عورتوں کیساتھ شادی بھی جائز ہے۔ اسلام نے تمام نوع انسانی میں ایک وحدت پیدا کرنے کے لئے پہلا عملی قدم یہ اُٹھایا کہ ان لوگوں کے آگے بڑھنے اور اتحاد پیدا کرنے کی دعوت دی جن کا اخلاقی نصب العین اسلام کے نصب العین سے قریب تر تھا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

اے اہل کتاب آؤ اس حقیقت پر متحد ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسلام اور عیسائیت کی جنگوں نیز اہل یورپ کی مختلف النوع چیرہ دستیوں نے اس آیۂ مقدسہ کے لامتناہی مفہوم کو دنیائے اسلام میں عملی جامہ پہننے کا موقعہ نہ دیا۔ آج اسلامی ممالک میں اس حسین خواب کی تعبیر اس رنگ میں ہو رہی ہے جسے "اسلامی قومیت" کہا جاتا ہے۔

میرے لئے یہ عرض کرنا چنداں ضروری نہیں کہ ہمارے نمائندے جتنے زیادہ اس بات میں کامیاب ہوں گے کہ وہ غیر مسلم نمائندوں کو ہمارے "دہلی ریزولیوشن" کے مطالبات کو تسلیم کرنے پر رضا مند کر لیں۔ اتنی ہی ان کی کامیابی زیادہ سمجھی جائے گی۔ اگر یہ مطالبات منظور نہ کئے گئے تو پھر قوم کے لئے موت اور حیات کا سوال درپیش ہوگا۔ اس وقت مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر متحدہ طور پر عملی قدم اُٹھائیں۔ اگر آپ سچ مچ اپنے مقاصد اور آرزوؤں کی تکمیل کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ کو اس متحدہ عمل کے لئے ہر وقت آمادہ رہنا چاہیئے۔ اکابر ملت سیاسی معاملات کے متعلق کافی غور و تدبّر کر چکے ہیں جس نے ہمارے دلوں میں ان قوتوں کا کم و بیش احساس ضرور پیدا کر دیا ہے۔ جو اس وقت ہندوستان کے اندر اور باہر کی قوموں کی تقدیروں کو سانچے میں ڈھال رہی ہیں، لیکن میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا اُنہوں نے ہمیں اس عملی قدم کے لئے بھی تیار کر دیا ہے جس کے لئے مستقبل میں رونما ہونے والے حالات متقاضی ہوں گے۔ میں صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ دور حاضرہ میں مسلمان دو مصیبتوں میں مبتلا ہیں۔ پہلی مصیبت قحط الرّجال کی ہے۔ سر میلکم ہیلی اور لارڈ اِرون کی یہ تشخیص بالکل صحیح تھی کہ مسلم قوم میں رہنماؤں کا فقدان ہے جیسا کہ اُنہوں نے علی گڈھ یونیورسٹی کے طالب علموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ لیڈروں سے میری مُراد ایسے حضرات ہیں جنہیں مبدا فیض کی کرم گستری یا مشاہدات و تجربات کی بنا پر ایک طرف اسلام کی روح اور اس کے منتہائے نگاہ کے متعلق بصیرت تامہ حاصل ہو اور دوسری طرف عصر حاضرہ کے

تاریخی شواہد بھی ان کی نگاہوں کے سامنے بے نقاب ہوں۔ ایسے لوگ درحقیقت وہ زندہ قوتیں ہوتے ہیں جو قوم کے عروقِ مردہ میں خونِ زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ وہ اللہ کی دین ہوتے ہیں۔ جسے چاہے دے۔ حسبِ فرمائش بنوائے نہیں جا سکتے۔ دوسری مصیبت جو مسلمانوں کو تباہ کر رہی ہے یہ ہے کہ ان کے دل سے احساسِ اجتماعیت فنا ہو رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ افراد اور چھوٹے چھوٹے فرقے الگ الگ راستوں پر گامزن ہو رہے ہیں اور ان کا کوئی کام ملت کے اجتماعی افکار و اعمال کو کچھ فائدہ نہیں پہونچاتا۔ ہم آج میدانِ سیاست میں وہی کچھ کر رہے ہیں جو صدیوں تک مذہب کے دائرے میں کرتے رہے ہیں۔ لیکن فرقہ بندی کے فروعی جھگڑے ہماری اجتماعیت کو نقصان نہیں پہنچاتے ان جھگڑوں سے کم از کم یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اصل اصول (مذہب) جو ہماری اجتماعیت کا نقطۂ ماسکہ ہے اس سے ہمیں گہری دلچسپی ہے۔ پھر یہ اصول اپنے اندر اتنی وسعت رکھتا ہے کہ کوئی گروہ یا فرقہ اس حد تک سرکش نہیں ہو سکتا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت سے کٹ جائے۔ لیکن سیاسیات کے دائرے میں انتشار اور بالخصوص ایسے مواقع پر انتشار جب کہ قوم کی زندگی کا انحصار ہی اتحادِ عمل پر ہو قوم کو فنا کر کے رکھ دیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم ان ہر دو مصیبتوں کا علاج کیا کریں۔ پہلی مصیبت (یعنی صحیح رہنماؤں کا فقدان) کا علاج تو ہمارے بس میں نہیں ہے۔ البتہ دوسری مصیبت (عدمِ احساسِ اجتماعیت) میرے خیال میں ناقابلِ علاج نہیں۔ اس باب میں میرے سامنے ایک منظم لائحہ عمل موجود ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جب تک وہ مزعومہ خطرہ پیدا نہ ہو جائے اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ صورتِ حالات پیدا ہو جائیں تو اس وقت ضرورت ہوگی کہ ہر طبقے اور ہر گروہ کے ممتاز اکابرِ ملت ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھیں۔ اس لئے نہیں کہ ریزولیوشن پاس کئے جائیں۔ بلکہ اس لئے کہ مسلمانوں کے لئے آخری طریق کار متعین کیا جائے، اور انہیں حصولِ مقاصد کا عملی راستہ بتایا جائے۔ میں نے اس خطبہ میں اس دوسری شکل کا تذکرہ صرف اسلئے کر دیا ہے کہ آپ اسے اپنے پیشِ نظر رکھیں اور اس دوران میں اس پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کریں۔

خاتمۂ سخن ۔ حضرات! مجھے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا۔ خاتمہ پر میں اس امر کی اہمیت واضح

کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہندوستان کی تاریخ میں مسلمانوں پر جو نازک وقت آج آچکا ہے اس کا
تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے اندر وحدتِ افکار و عمل پیدا کر کے مکمل طور پر منظم ہو جائیں۔ ان کی یہ تنظیم ملتِ
اسلامیہ اور ہندوستان دونوں کے حق میں مفید ہوگی۔ ہندوستان کی سیاسی غلامی ایشیا بھر
کے لئے لامتناہی مصائب کا سرچشمہ بنی رہی ہے اور اس وقت بھی وہی کیفیت ہے۔ اس غلامی نے
مشرق کی روح کو کچل ڈالا ہے۔ اور اس سرزمین کو اظہار خودی کی اس مسرت سے یکسر محروم کر دیا ہے
جس کی برکت سے یہ کبھی ایک عظیم الشان اور درخشندہ کلچر کی تخلیق کا موجب بنی تھی۔ جس سرزمین
(یعنی ہندوستان) کے ساتھ ہمارا جینا اور مرنا وابستہ ہو چکا ہے۔ اس کی طرف سے ہم پر ایک اہم
فریضہ عائد ہوتا ہے۔ علاوہ بریں ہم پر ایشیاء کی طرف سے اور علی الخصوص مسلم ایشیا کی طرف سے
بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ تنہا ایک ملک میں سات کروڑ فرزندانِ توحید کی جماعت کوئی معمولی
چیز نہیں۔ تمام مسلم ایشاء کے ممالک مجموعی طور پر بھی اسلام کے لئے اتنی گراں بہا متاع نہیں جتنی
اکیلے ہندوستان کی ملت اسلامیہ۔ اس لئے ہمیں ہندوستان کے مسئلہ کو صرف اس زاویہ نگاہ سے
نہیں دیکھنا چاہیئے کہ ہندوستان میں اسلام کا کیا حشر ہوگا۔ بلکہ اپنی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس
نقطۂ خیال سے بھی کہ ہماری موت اور حیات کا عالم اسلامی پر کیا اثر ہوگا۔ ہندوستان اور ایشیا کی
طرف سے جو فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں، ان سے ہم کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ جب تک ہمارا نصب العین
متعین نہ ہو اور اس کے حصول کے لئے ہم سب منظم طور پر عزم نہ کر لیں۔ ہندوستان کے دیگر سیاسی
گروہوں میں ہماری مستقل ملی ہستی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم منظم ہوں متحد ہوں۔ ہم آہنگ ہوں۔ ہمارا
بکھرا ہوا شیرازہ ان تمام سیاسی مسائل پر جن کے ساتھ ہماری ملت کی موت اور زندگی وابستہ ہے۔
بہت بری طرح اثر انداز ہو چکا ہے۔ میں فرقہ وار مسائل میں سمجھوتہ کی طرف سے ناامید نہیں ہوں، لیکن
مجھے تو کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ مستقبل قریب میں ہندوستان میں شاید ایسے خطرناک حالات پیدا ہو
جائیں کہ مسلمان کو اپنا جداگانہ محاذ قائم کر کے ان کا مقابلہ کرنا پڑے اور ایسے خطرناک حالات میں آزاد
راہِ عمل وہی قومیں اختیار کر سکتی ہیں جو حصول مقاصد کے لئے تلی بیٹھی ہوں اور اپنے تمام عزائم کو ایک

متحدہ نصب العین پر مرکوز کئے ہوئے ہوں ۔ اچھا تو کیا اس بات کے امکانات موجود ہیں کہ مسلمانوں میں اس قسم کی وحدتِ افکار پیدا ہو سکے ۔ ہاں یہ ممکن ہے ۔ اس کے لئے طریق عمل یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو پارٹی بازی کے محدود مفاد اور ذاتی اغراض کی سطح سے بلند کرلیں اور اس بلند ترین نصب العین کی روشنی میں جس کی نیابت کے لئے دنیا میں ملت اسلامیہ کا وجود قائم ہے اپنے انفرادی اور اجتماعی اعمال کی قدر و قیمت متعین کریں خواہ وہ اعمال مادّی اغراض و مقاصد کے حصول کی خاطر ہی کیوں نہ ہوں اس مادیت کے کثیف مقاصد سے روحانیت کی لطیف منازل کی طرف گامزن ہوجیئے ۔ مادہ تشتّت کا مظہر ہے اور روح نورانیت ۔ زندگی اور وحدانیت کی قندیل ۔ مسلمانوں کی تاریخ سے میں نے ایک سبق سیکھا ہے اور وہ یہ کہ ان کی تاریخ کے نازک ترین ادوار میں مذہب (اسلام) نے ملت کو بچایا ہے نہ کہ ملت نے مذہب کو (یعنی اگر اسلام کی حفاظت کی طرف توجہات مرکوز کروگے تو تم خود بخود محفوظ ہو جاؤ گے اور اگر یہ سمجھو گے کہ مسلم افراد کی حفاظت ہوجائے تو اسلام بھی محفوظ ہو جائے گا تو یہ خام خیالی ہے) ۔ اگر آج آپ اپنے تمام تصورات اور تخیلات کو صرف اسلام کے نقطۂ اسکہ پر مرتکز کردیں ۔ اور جو زندہ اور پائندہ قائم و دائم نظریۂ حیات وہ پیش کرتا ہے اس سے اپنی بصیرت حاصل کریں تو اس سے آپ اپنی منتشر قوتوں کو پھر سے مجتمع اور گم گشتہ مرکزیت کو از سر نو حاصل کرلیں گے ۔ اور یوں اپنے آپ کو تباہی و بربادی کے مہیب جہنم سے بچالیں گے ۔ قرآن کریم کی ایک عظیم الشان آیت[1] میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ تمام نوع انسانی کی تخلیق اور نشاۃ ثانیہ ایک فرد واحد کی تخلیق اور نشاۃ ثانیہ کے مثل ہوتی ہے ۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ حضرات جو بہ حیثیت قوم نوع انسانی کے متعلق اس بلند ترین تصور کے اولین مظہر ہونے کے جائز مدعی ہو سکتے ہیں باہمی بے تعلقی کو چھوڑ کر ایک جسد واحد کی طرح ایسی زندگی بسر کریں (کہ اگر پاؤں کے انگوٹھے میں کانٹا چبھے تو آنکھ کے آبگینہ میں آنسو چھلک آئے) جب میں یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان میں معاملات جس طرح بہ ظاہر نظر آتے ہیں ۔ ان کی حقیقت اس سے کہیں مختلف ہے تو اس سے میں آپ کو کسی چیستان میں الجھانا نہیں چاہتا ۔ ان الفاظ کا صحیح مفہوم آپ کے افقِ دماغ پر اس وقت

---

[1] مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۔ الآیۃ

نور افشاں ہوگا جس وقت آپ انہیں حقیقی "اجتماعی خودی" کی روشنی میں دیکھنے کا ملکہ حاصل کرلیں گے

قرآن کریم کے الفاظ میں

عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ

(اپنی خودی کا استحکام کرو اگر تم خود صحیح راستہ پر گام زن ہوگے تو کوئی غلط راستہ پر چلنے والا تمہیں نقصان نہیں پہونچا سکے گا۔)

(یہ ہے وہ خطبہ جسکے متعلق ہم نے لمعات میں لکھا ہو کہ اس وقت جب کہ فکر و نظر کی پریشانیوں کی وجہ سے مسلمانان ہند کے سامنے کوئی واضح نصب العین نہیں ہے۔ حضرت علامہؒ کے یہ ارشادات گرامی روشنی کے بلند مینار کی طرح ساحل مقصود کی طرف صحیح راہنمائی کررہے ہیں۔ یہ خطبہ ایسا نہیں ہے کہ آپ اسے ایک مضمون کی طرح سرسری نگاہ سے پڑھ ڈالیں اور پھر اُٹھا کر رکھ چھوڑیں۔ بلکہ اس کا ایک ایک فقرہ اور ایک ایک لفظ اس قابل ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے، اور جب تک ایک بات کا صحیح مفہوم واضح طور پر ذہن نشین نہ ہوجائے آگے نہ بڑھا جائے جب اس طرح یہ گران قدر خیالات آپ کے خاطر نشین ہوجائیں گے تو اس وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ اقبالؒ کا صحیح مقام کیا تھا۔ اور پھر آپ سمجھ سکیں گے کہ حضرت علامہؒ نے یہ کیوں فرمایا تھا کہ ؎

چو رخت خویش بربستم ازیں خاک | ہمہ گفتند باما آشنا بود
ولیکن کس ندانست ایں مسافر | چہ گفت وباکہ گفت وازکجا بود

طلوعِ اسلام)

حیات آفریں شہادت

(اسد ملتانی)

اہلِ دل قربانیٔ شبیرؑ کا غم کیوں کریں ؟
زندۂ جاوید ہو جانے کا ماتم کیوں کریں

دے کر اس مردانہ قربانی کو مظلومی کا رنگ
ہم شہیدِ کربلا کی شان کو کم کیوں کریں !

سر کٹایا کس سکون و صبر سے شبیرؑ نے
دے کے اس جمعیتِ خاطر کو برہم کیوں کریں

زندگی کا جزو ہونی چاہیے یادِ حسینؑ
ہم اسے محدودِ ایامِ محرم کیوں کریں

جب ظفرمندی شہیدوں ہی کے حصے میں رہی
دل کو پُرغم کیوں کریں آنکھوں کو پُرنم کیوں کریں

ہم مناقب ہی سنائیں گے مصائب کے بجائے
داستانِ فتح کو افسانۂ غم کیوں کریں

آنسوؤں سے اوس پڑ جاتی ہے دل کے جوش پر
زخمِ دردانگیز کو مرہونِ مرہم کیوں کریں

سرفروشی اور جانبازی کا میداں چھوڑ کر
گریہ و زاری کے گوشے کی طرف رم کیوں کریں

زندگی کا درس دیتا ہے ہمیں خونِ حسینؑ
موت کا سامان رو رو کر فراہم کیوں کریں

گلبنِ باغِ شہادت جن کو بننا چاہیے
وہ جوانانِ چمن تقلیدِ شبنم کیوں کریں

آؤ اس سے دورِ گیتی کا بدل ڈالیں نظام
جذبۂ ذوقِ عمل کو نذرِ ماتم کیوں کریں

اسوۂ شبیرؑ اپنے سامنے ہے اے اسد
پیشِ باطل گردنِ تسلیم کو خم کیوں کریں